کی ریلیں اور ٹرک استعمال ہوں گے اور جگہ جگہ شراب کے پارسلوں کا اندراج ہوگا۔ کسٹم اور سیلز ٹیکس کے لیے اُن کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس کے بعد شراب سے وہ نفرت تو باقی نہیں رہ سکتی جو حرام ماکولات و مشروبات کے لیے اسلام ودیعت کرتا ہے اور نفس کے لیے ایک بڑی روک یہی ایمانی نفرت ہوتی ہے۔

شراب کے جو اثرات دُنیا میں ٹریفک کے حادثات، ازدواجی بگاڑ، جرائم، بہیمانہ تشدد، خودکشی، پاگل پن، نیم پاگل پن اور دیگر امراض کی صورت میں اب تک ظاہر ہو چکے ہیں، ان کے ہوتے ہوئے ہم اپنے ہاں کی کسی آبادی کو کیسے اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ ہمارے معاشرے میں اِن برائیوں کو پھیلانے کے لیے خصوصی حق حاصل کرے۔ اور پھر شراب نوشی آدمی کو جس تنذبذب میں مبتلا کرتی ہے وہ خیانت و بدعنوانی کی رفتار میں اضافہ کرتی ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ محض لفظوں کی چیر پھاڑ سے اُوپر کے عرض کردہ مفاسد کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے آپ کو اقلیتوں کے لیے فراخدل ثابت کرنے کی خاطر اکثریت کو سزاؤں خرابیوں کا شکار بننے کے لیے چھوڑ دیں۔

قرآن آج کل کے قانون دانوں کے ذوق کے مطابق خالص کتاب قانون نہیں ہے۔ جس میں دفعہ وار ضابطہ بندی (CODIFICATION) کی گئی ہو اور ہر ایکٹ کے شروع میں عنوان درج ہو، پھر اصطلاحات اور اُن کے مفہوم کو معین کیا گیا ہو۔ یعنی باقاعدہ کسی دفعہ یا دفعات میں صراحت و وضاحت ہو کہ جب لفظِ حرام استعمال ہوگا تو معنی یہ ہوں گے۔ اور جب کوئی دوسرا طریق متع وہی استعمال ہوگا تو اُس کے معنی وہ ہوں گے۔

قرآن سب سے پہلے ایک دین کی دعوت اور اُس کے لیے اُٹھائی جانے والی تحریک (بلکہ مختلف زمانوں کی تحریکوں) کی روئیداد بھی ہے۔ اساسی حقائقِ کائنات و حیات کا آئینہ دار ایک صحیفہ بھی ہے جس میں مخالف خیالات کا توڑ کر کے محکم دلائل سے کچھ عقائد کو پیش کیا گیا ہے، وہ کتاب اخلاق بھی ہے اور اخلاقی ضابطے بتانے سے زیادہ انسان کے اندر خدا پرستانہ اخلاقی ذمہ داری کا احساس بیدار کرنے کی محرک ہے، وہ خدا پرستی اور دُنیا پرستی کی کشمکش کی پچھلی تاریخ کا خلاصہ بھی اپنے اندر رکھتی ہے، اور ان ساری چیزوں کے ساتھ ساتھ اُس میں نازل شدہ قوانین اور اُن کے

اجزاء سے پیدا ہونے والے مسائل کا ذکر بھی ہے۔ یہ سب کچھ قرآن میں ملا جلا بیان ہوا ہے اور کبھی اعتقادی امور پر کلام قانونی حکم سے ملا ہوا ہے، کبھی قانونی حکم کے ساتھ اخلاقی تلقین شامل ہے اور کبھی ماضی کے کسی واقعے کے بیان کے ساتھ حلال و حرام کی کوئی تصریح کی گئی ہے۔ کوئی مقام ایسا نہیں جہاں حرام، مکروہ، مکروہ تحریمی، حلال، مباح اور پسندیدہ وغیرہ اصطلاحات کی بسط دے کر ان کے فروق بیان کیے گئے ہوں اور نہ کوئی یکجائی بیان ایسا ہے جس کے متعین قانونی الفاظ سے معلوم ہو جائے کہ مکمل حرمت و امتناع کے لیے لفظ حرام یا مصدر تحریم کے علاوہ اور کون کون سے الفاظ اور انداز بیان مترادف ہیں۔ یہ تو مفسرین و فقہاء کی محنتیں ہیں کہ انہوں نے ـــــ قرآن کے منہیات کو مختلف آیات سے لے کر سامنے رکھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات کی روشنی میں تعین کیا کہ حرام قرار دینے کے لیے کس کس طرح کے الفاظ اور اسلوب نہی قرآن نے اختیار کیے ہیں۔

مثلاً جن چیزوں کو لفظ حرام (یا اس مادے کے دوسرے مشتقات) سے ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ حسب ذیل مقامات پر مذکور ہیں:۔

۱- اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ - (البقرہ - ۱۷۳ - تھوڑے سے مختلف الفاظ ہیں۔ المائدہ ۳، الانعام ۱۴۵ اور النحل ۱۱۵ -

سورۂ مائدہ کی آیت ۳ میں یہ اضافہ ہے:۔ ۱- وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ۔
۲- وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ۳- وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ[1]

۲- لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ (المائدہ - ۹۵)

یہاں حرمت کا حکم محض کلمۂ نہی "لا" سے دیا گیا ہے اور اس کے بعد سزا یا کفارہ بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ ساری بات کر چکنے کے بعد پھر دہراتے ہوئے فرمایا کہ حرم علیکم صَيْدُ الْبَرِّ مَا

---

[1] یہاں آگے کے الفاظ ہیں ذٰلِكُمْ فِسْقٌ یعنی پانسوں سے تقسیم کردہ گوشت (یا دوسرے مال) کو حرام کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ یہ تمہارے لیے فسق یا گناہ ہے۔ اس سے یہ اشارہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حرام کے لیے فسق یا فسق کے لیے حرام کے الفاظ کا متبادل استعمال ہو سکتا ہے۔

دُمْتُمْ حُرُمًا (المائدہ: ۹۶)

یہاں لفظ حُرُم کے ساتھ صرف "صید البر" کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ پہلے حکم ممانعت میں محض "صید" کا عمومی ذکر ہے۔ پھر وہاں کفارہ کا بیان بھی کر دیا گیا ہے۔ التباس نہ ہونے کی دو وجہیں ہیں:۔ ایک یہ کہ دونوں باتیں ایک ہی سلسلۂ کلام کا حصہ ہیں۔ دوسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہی کے دائرہ میں تعیین فرمانے کے لیے موجود تھے کسی کو مغالطہ نہیں ہوا۔

المائدہ ۱ میں بھی یہ ممانعت موجود ہے۔

۳۔ حَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ: ۲۷۵)

۴۔ الانعام میں حرمتوں کا ایک تفصیلی بیان ہے۔ فرمایا: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ (آیت ۱۵۱)

اس کے بعد حسب ذیل امور کو گنا گیا ہے۔

ا۔ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (حرمت کا حکم حرفِ نہی "لا" سے)

ب۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔

اب اگر کوئی شخص کہے کہ قرآن کو قرآن سے سمجھنا اور اس کے الفاظ کو ضابطے کی طرح لینا ہے تو ظاہر بات ہے کہ ایسا آدمی یہی نتیجہ نکالے گا کہ والدین سے حُسنِ سلوک کو نعوذ باللہ حرام کر دیا گیا ہے۔ مثبت تقاضا بیان کر کے امر منہی عنہ کو محذوف کر دیا ہے۔

ج۔ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ خَشْيَةِ اِمْلَاقٍ

د۔ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (یہاں حکم ممانعت لا تقربوا سے دیا گیا ہے)

ر۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔

س۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ (یہاں پھر لَا تَقْرَبُوْا سے نہی کی گئی ہے)۔

ص۔ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ۔

یہاں پھر وہی اسلوب ہے کہ امرِ مطلوب کو بیان کیا جا رہا ہے اور اس کے مخالف جس چیز کو ممنوع

ٹھیرانا مطلوب ہے اُسے محذوف کر دیا گیا ہے۔

ط۔ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا ۔ یہاں پھر مثبت اور اس کی متضاد صورت جسے حرام کیا جا رہا ہے، محذوف ہے۔

ع۔ وَبِعَهْدِ اللهِ أَوْفُوا ۔ یہاں بھی وہی صورت ہے۔

۵۔ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۔ (النور ۔ ۳) یہاں حکم یہ ہے کہ مشرک یا زانی مرد یا مشرکہ یا زانی عورت سے ویسے ہی مرد و زن نکاح کر سکتے ہیں۔ مومنوں کے لیے یہ ممنوع ہے۔

۶۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ ..... الخ (النساء ۲۳)

اِن مثالوں کو سامنے رکھنے کے بعد حرمت کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے قرآن کے چند اور مواقع پر نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔

پہلی مثال :۔ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ (المائدہ ۷۲)

یہاں حرّم کے معنی واضح ہیں کہ مشرکین کے لیے جنت ممنوع الدخول ہے۔

دوسری مثال :۔ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ (القصص ۔ ۱۲) یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بتایا گیا کہ ولادت کے فوراً بعد جب وہ قصرِ فرعون میں پہنچے تو انھوں نے کسی بھی دایہ کا دودھ نہ پیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کر دینے کا مطلب ہے کہ ہم نے بحکمِ خاص حضرت موسیٰؑ کو اس سے روک دیا کہ وہ کسی دایہ کا دودھ پئیں۔

تیسری مثال :۔ وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۔ یعنی جن بھی بستیوں یا قوموں کو ہلاک کیا گیا۔ اُن کے لیے (خواہ اُن کے اعمال کی وجہ سے) بُرائی کی راہ سے پیچھے پلٹنے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔

چوتھی مثال :۔ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ (المائدہ ۔ ۲۶) یعنی بنی اسرائیل کو فتح قریہ سے اُن کے انکارِ جہاد کی وجہ سے چالیس برس کے لیے ناممکن بنا دیا گیا۔ یہ مطلب نہیں کہ اُن کو حکم دیا گیا کہ خبردار اِدھر کا رُخ نہ کرنا۔ اُدھر جانا حرام ہے۔

پانچویں مثال :۔ قَالُوا إِنَّ اللهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ (الاعراف ۔ ۵۰) اہلِ دوزخ

جنّت والوں سے پانی مانگیں گے تو اُدھر سے جواب ملے گا کہ یہ تو کفار کے لیے ممنوع الاستعمال ہے۔

اِن ساری مثالوں سے حرمت کا جو تصوّر اُبھرتا ہے وہ ممنوعیت کا ہے۔ کوئی چیز منع ہے یا کسی چیز سے روک دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسے اور الفاظ یا اسالیب نہیں ہو سکتے جو ممنوعیت کا مفہوم دیتے ہوں؟ جواب یہ ہے کہ قرآن میں شدید قسم کے احکامِ امتناعی کی ایسی مثالیں موجود ہیں جس کے لیے حرمت کے مادے کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ اختصار کے لیے میں صرف ایک مثال دوں گا۔

سورۃ الحجرات میں تین باتوں کی ممانعت کی گئی۔ ۱- لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ۲- لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ۳- وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (آیت ۱، ۲)[1]

اتنی بات سامنے ہو تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ تو ایک عام اخلاقی سفارش ہے۔ مگر اس کلام کا آئندہ جملہ یہ ہے کہ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ یعنی اگر تم خدا اور رسول کی بارگاہ میں حدِادب سے تجاوز اختیار کرو گے، اگر تم خدا کے رسول کی آواز کے بالمقابل اپنی آواز کو بلند تر کرو گے اور اسی طرح تنک تنک کر بات کرو گے جیسے ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمھارے سارے اعمالِ حسنہ اکارت جائیں گے اور (چونکہ حبطِ اعمال کی کارروائی کو تم دیکھ نہیں سکتے لہٰذا) تمھیں خبر بھی نہ ہوگی۔ حبطِ اعمال کی وعید نے بتا دیا کہ متذکرہ ممنوعات کی شدت کس درجے کی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ شدتِ امتناع کے لیے قرآن کے پاس لفظِ حرمت کے علاوہ بھی سرمایۂ الفاظ و اصطلاحات ہے۔

[1] اسی حرفِ نہی کے استعمال کی ایک اور اہم مثال یہ ہے کہ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ (یٰسٓ ۶۰) اور عبادتِ شیطان کی وضاحت دوسرے امتناعی حکم سے ہوتی ہے کہ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ (النور، ۲۱)۔ پھر لَا تَتَّخِذُوْا، لَا تَقْرَبُوْا، لَا تَقْتُلُوْا، لَا تَعَاوَنُوْا، لَا تَاْكُلُوْا، وغیرہ بے شمار افعال کا ذکر بصورت نہی کیا گیا ہے۔ ان ساری مثالوں کو یہاں جمع نہیں کیا جا سکتا۔

بے شک آپ نے سوال میں شراب کے لیے اجتناب کے جس حکم (فَاجْتَنِبُوا) کا ذکر کیا ہے، وہ بھی امتناع اور حرمت کے معنی دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس طرح کے احکامِ ممانعت متعدد ہیں:

۱۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل ۳۶)

۲۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ (الحج ۳۰)

۳۔ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ (الحج ۳۰)

۴۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (الحجرات ۱۲)

۵۔ جملہ شرطیہ کی صورت میں اجتناب کا ایک مطالبہ یہ ہے کہ إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ[1] عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ (۳۱)

طاغوت، بتوں کی گندگی، قولِ زور اور کثرتِ ظن سے اگر قرآن نے روکا ہے تو دوسرے لفظوں میں ان ممنوعات کو حرام کیا ہے۔ بات محض نظری ناپسندیدگی کی نہیں کہ خیر اگر آپ طاغوت سے بھی دل لگالیں تو کیا حرج، اور بت پرستی کی گندگی میں بھی آلودہ ہو جائیں تو کوئی خاص بات نہیں۔ جھوٹی گواہی دیتے رہیں تو بھی بس یونہی ذرا سرسری سی کمزوری ہے یا اسی طرح لوگوں کے متعلق کثرت سے بدگمانیاں کرتے رہیں تو بھی کوئی ایسا پیچیدہ معاملہ نہیں ہے۔ جی نہیں یہ سب کچھ حرام ہے۔ اسی طرح کبائر اثم کے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کا معاملہ حرام سے کم درجے کا ہے۔ ہاں صرف "ظن" کا ایک معاملہ ایسا ہے کہ چونکہ اس کا تعلق قلب و ذہن سے ہے اس وجہ سے یہ شاید قانونی موضوع نہ بن سکے۔ مگر باقی سارے افعال حرام ہیں، جرم ہیں اور اُن پر مناسب سزا ہو سکتی ہے۔

یہی الفاظ شراب کی ممانعت کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ مگر اس کلمۂ نہی کے ساتھ اور اتنا کچھ کہا گیا ہے کہ بلید الذہن آدمی ہی یہ سوچ سکتا ہے کہ شراب درجۂ اوّل کی منہیات میں سے نہیں ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" ہے، یعنی گندا شیطانی فعل۔ پھر یہ کہ اس سے شیطان کا مقصد تمہارے درمیان عداوت و بغضاء پیدا کرنا ہے اور نماز اور ذکر سے روکنا ہے۔ پھر جلالت بھرے انداز میں

---

[1] یہاں کبائر اثم کے متعلق اللہ نے خود ما تنہون کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کبائر کا ارتکاب حرام ہے۔ لہٰذا محض اللہ کی طرف سے منع کر دینا بھی حرمت کے ہم معنی ہے۔

کہا گیا ہے کہ "پھر کیا تم باز نہیں آؤ گے؟" اس نہی استفہامی کا زور قرآن پڑھنے والا آدمی ہی جان سکتا ہے۔ چنانچہ جس مجلس میں یہ تازہ نازل شدہ کلام سنایا جا رہا تھا۔ اُس کے حاضرین بآواز بلند پکار اٹھے کہ اے رب ہم باز آگئے! پھر یہ واقعہ بھی شراب نوشی کی شناعت کو واضح کر دے گا کہ امتناعی حکم کی منادی سن کر بعض اصحاب نے ہونٹوں سے لگے ہوئے پیالے الگ کر کے پھینک دیئے اور مٹکے گلیوں میں انڈیل دیئے۔

شراب نوشی کے جرم پر حضورؐ اور جمیع خلفائے راشدین کے دور میں حد جاری کی گئی۔ ریکارڈ میں لفظ حد ہی ملے گا، تعزیر نہیں۔ بعدہٗ پوری اُمت میں بلا اختلاف اس بات پر اجماع رہا ہے کہ شراب حرام ہے، اس کا پینا پلانا یا اس کا بنانا اور خریدنا بیچنا سب حرام ہیں۔ بلکہ حضورؐ نے ایسے برتنوں کا استعمال بھی منع کرا دیا جو مے نوشی کے لیے مخصوص سٹائل رکھتے ہوئے۔ آج یکایک اگر اس متفقہ اجماعی فیصلے کے خلاف آواز اُٹھتی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ذہن ایسا ہے جو نہ تو قرآن ہی کو کما حقہٗ سمجھنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ (محض چند آیات کے چند ٹکڑے سامنے رکھ لیے گئے ہیں) نہ سنت کا احترام کرتا ہے اور نہ پوری امت کے اجماع کو وقعت دیتا ہے۔ ایسے شخص کے نادر چٹکلے کیا پہاڑوں کے پتھروں پر نافذ ہوں گے؟ کیا ایک معاشرے کے معتقدات اور قانونی مسلمات کے علی الرغم زبردستی کوئی نئی چیز اس پر ٹھونسی رہے؟ ظاہر بات ہے کہ اس قسم کی کوششیں جڑیں نہیں رکھتیں، ورنہ خوارج کی بھی تو حکومت قائم ہوئی تھی، اُن کے مخصوص طور طریقے اُمت میں باقی رہ جانے چاہئیں تھے۔ اُمت کے اساسی اور مجموعی ذہن سے ٹکرانے والی حکومتیں اور عدالتیں کبھی چل نہیں سکتیں۔ دیکھتے دیکھتے تلپٹ ہو جاتی ہیں۔

مستفسر سے گذارش ہے کہ شراب کے متعلق جو استدلال کیا گیا ہے، اسی کو جوئے پر بھی منطبق کر لیں۔ خمر، میسر اور ازلام تینوں رجس من عمل الشیطان ہیں۔ تینوں میں مشترک قسم کے مفاسد موجود ہیں۔ تینوں کے لیے "اجتنبوا" کے لفظ سے نہی شدید کی گئی ہے اور تینوں کے آخر

۱؎ دُبّا، حنتم، نقیر، مزفّت کی ممانعت کے لیے وہ گفتگو سامنے رہے جو ۸ھ میں حضورؐ نے وفد بنی عبدالقیس کے سامنے کی۔

میں ہے کہ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ؟ اور سننے والوں نے اس کا جواب دیا تھا: قَدِ انْتَهَيْنَا يَا رَبِّ! پس یہ حرام قطعی ہیں اور قانوناً جرم ہوں گے اور ان پر سزا جاری ہوگی۔

ایک اور مقام استدلال بھی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب بلند کے متعلق قرآن مجید میں جو چند جملے اکٹھے کیے گئے ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (الاعراف - ۱۵۷) یعنی حضورؐ بالفاظ قرآن (یا بہ نطق خود) طیب اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث اور گندی چیزوں کو حرام ٹھیراتے ہیں۔ یہاں حلت و حرمت کا ایک ایسا معیار بیان ہوگیا کہ جس کی مدد سے قرآن و حدیث کے مجازات و ممنوعات کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اور جزئی اُمور میں اگر اجتہاد کرنا پڑے تو اجتہاد بھی کیا جا سکتا ہے۔ اب یہ کام حریف و مدعی کا ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ شراب خبیث چیزوں میں سے نہیں بلکہ طیبات میں سے ہے یا اُن سے کم تر کسی درجے میں ہے۔

یہ بھی سامنے رہے کہ آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے کہ الحلال بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ یعنی حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی۔ وَبَيْنَ ذٰلِكَ اُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ اشتباہی امور ہیں۔ جن کے متعلق اکثر لوگ یہ علم نہیں لگا سکتے کہ یہ حلال ہیں یا حرام۔ حضورؐ کی تعلیم یہ تھی کہ جس نے بر بنائے احتیاط اپنے دین و عزت کو بچانے کے لیے اُن سے اجتناب کیا وہ بچ نکلا اور جو کوئی اس دائرے کی کسی چیز کی لپیٹ میں آگیا، اس کے لیے بعید نہیں کہ وہ حرام تک جا پہنچے۔ مثال دی کہ جیسے کسی محفوظ چراگاہ (یا کھیت) کے کنارے پر چرنے والے جانوروں سے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ چراگاہ یا کھیت میں جا گھسیں۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا شراب ایسے مشتبہات میں سے ہے کہ انسانوں کی اکثریت یہ سوچتی رہ جائے کہ نہ معلوم یہ طیبات میں سے ہے یا خبائث میں سے اور یہ ممنوع ہے یا ناجائز یا بالفاظ دیگر حرام ہے یا حلال؟ کیا دنیا بھر کے مذہبی نوشتے، شراب کے متعلق عقلی و تجربی بحثیں اور اس کے اثرات بد کا عالمی ریکارڈ اس قسم کے شبہ کی گنجائش چھوڑتا ہے؟

اور حضورؐ کی قائم کردہ (نمونہ کی) سوسائٹی کا اس سے اجتناب کرنا، امتناعی حکم ملتے ہی مے نوشی بند کر دینا اور متعلقہ برتن توڑ دینا اور شراب نوشوں کو کوڑے لگانا، کیا یہ سب کچھ دریا برد کر کے

سوچا جائے گا۔

تبوک سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پہ وفد ثقیف حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے لوگوں نے بعض امور میں بطور خاص استثنیٰ چاہا۔ ان امور میں سے ایک شراب نوشی کی اجازت حاصل کرنا بھی تھی۔ حضورؐ نے یہ اجازت نہیں دی۔ ذرا خیال فرمائیے کہ ابھی اسلام پوری طرح پھیلا بھی نہیں تھا۔ اور ثقیف والوں کی بڑی تعداد اس سے آزاد تھی، اس کے باوجود اُن کو یہ معلوم تھا کہ دینِ محمدؐ میں شراب ممنوع ہے۔ اگر حرام نہ ہوتی تو حضورؐ ڈھیل دے سکتے تھے۔

بہت سی ثقہ روایات کو چھوڑ کر میں ایک ایسا واقعہ لیتا ہوں جسے تاریخ کے ذریعے بچہ بچہ جانتا ہے۔ ابو محجن ثقفی ۹ھ میں اسلام لائے، بہادر، جانباز تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو عراق میں لشکر میں بھیجا۔ پھر معرکہ جسر میں رسالے کی قیادت کی۔ پھر بویب کے معرکے میں داد شجاعت دی۔ اسلام سے پہلے طائف کے تاکستانوں نے ثقفیوں میں شراب نوشی کی وبا پھیلا رکھی تھی۔ اسلام کے غلبے کے بعد بھی انگوروں کا رس بعض طبائع کو بہکاتا تھا۔ روایت یہی ہے کہ ابو محجن کو شراب کی لت تھی، ایک بار پکڑے گئے، حضرت عمرؓ نے کوڑے لگوائے، پھر گرفتار ہونے پر اور سزا ہوئی۔ لیکن جب جرم اور سزا میں یہ کشمکش لمبی ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے ان کو جزیرۂ حضوضہ میں نظر بند کر دیا۔ یہیں وہ واقعہ پیش آیا کہ انہوں نے جب معرکہ قادسیہ کا حال سنا تو بے قرار ہو گئے۔ اُس وقت جو اشعار ابو محجن نے کہے اُن میں سے ایک یہ تھا ؎

کفیٰ حزناً ان تردی الخیل بالقنا   و اترک مشدوداً علیّ وثاقیا

(اس سے بڑھ کر دکھ کیا ہو گا کہ سوار نیزے لیے جنگ میں شریک ہو رہے ہیں اور میں یہاں زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا ہوں)۔

آخری شعر ہے ؎

وَلِلّٰہِ عَھْدٌ وَ لَا اخون بعھدہٖ   لئن فرجت ان لا ازور الحوانیا

(میں نے بارگاہِ الٰہی میں عہد کیا ہے اور اس عہد میں خیانت نہیں کروں گا کہ اب اگر مے خانے کے دروازے مجھ پر چوپٹ کھول دیئے جائیں تو بھی میں ادھر کا رُخ نہیں کروں گا)۔

ان دردناک اشعار میں چھپے جذبے کا اثر یہ ہوا کہ سپہ سالار سعد بن ابی وقاص کی اہلیہ (سلمیٰ)